عروج وزوال کے الٰہی قوانین

از

(جناب مولوی محمد تقی صاحب امینی)

(۹)

جذبۂ مذہبیت کے بارے میں بعض اجتماعین اور ڈاکٹر مرسیر کا قول عمومی حیثیت سے قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے

ایسی صورت کے باوجود تعجب ہے کہ ڈاکٹر مرسیر جیسا فلسفۂ جذبات کا نمائندہ شخص یہ بات کیسے کہہ گیا کہ

جذبۂ مذہبیت محض آرائش و تکلفات کا کام دیتا ہے اور جماعت کے لئے کوئی افادی حیثیت نہیں رکھتا ہے[1]۔ جدید دور کے سیاستدانوں (جن کی بنیاد میکاؤلی طرزِ سیاست پر ہے) اور مفاد پرستوں (جن کا کوئی خاص مذہب نہیں ہوتا ہے بلکہ انکے یہاں ہر چلتی ہوئی چیز مذہب بن جاتی ہے) کے بارے میں ڈاکٹر موصوف کا قول بے شک صحیح ہو سکتا ہے لیکن سب کے لئے عمومیت کے ساتھ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے اسی بنا پر جن بعض اجتماعین نے مذہب سے قطع نظر کر کے قولی و جماعتی زندگی پر کلام کیا ہے وہ کہیں کہیں حالات کا تجزیہ کرنے اور واقعات کے اسباب دریافت کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ حقیقی مذہب اپنی اصلی حالت اور شکل کے ساتھ کیوں میدان چھوڑنے پر مجبور ہوا میرے نزدیک اس کی دو وجہ ہیں:۔

(۱) عرصہ سے مذہب کے نام پر اس کی جس طرح نمائندگی[2] ہو رہی ہے وہ واقعی اس قابل نہیں کہ انسان کے اندر افادیت و صلاحیت کے جوہر نمایاں کر کے اقدام۔ عزم۔ شجاعت وغیرہ جیسے زندگی

---

[1] فلسفۂ جذبات ص ۱۱۲ [2] میری مراد عمومی حیثیت سے نمائندگی ہے ورنہ ہر دور میں مذہب کے کچھ صحیح نمائندے پیدا ہوتے رہے ہیں جن کی بدولت اس کا نام باقی ہے اور کام کے نقوش موجود ہیں۔

کے عناصر پیدا کرلے اور کسی خوش آئند حال و مستقبل کی نشان دہی کرلے اور یہ واقعہ ہے کہ انسان امید کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔

(۲) سیاست نے انسان کے کل پرزے اس قدر ڈھیلے کردئے ہیں کہ وہ حد سے زیادہ خودغرض اور ناعاقبت اندیش بن گیا ہے اس کے اندر انتہائی سطحیت اور خود فریبی آگئی ہے جس کی بناء پر مذہب کی گہرائی اور عالی حوصلگی کو سمجھنے سے قاصر ہے۔[1]

یہ صحیح ہے کہ مذہب کے نام پر اب پڑھی لکھی دنیا توہمات پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں، یہ بھی درست ہے کہ علم کی روشنی نے وہم پرستوں کے وہمی پردوں کو بہت حد تک چاک کردیا ہے لیکن یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ زندگی کے بہت سے مسائل کے حل کرنے کے لئے عقل اور فلسفہ کی نگاہیں بیکار ثابت ہورہی ہیں، ان کے حل کے لئے ایمان اور وجدان کی بھی ضرورت ہے جس کی سچی نمائندگی سچا مذہب ہی کرسکتا ہے جو غیر شعوری طور پر حقیقت کا احساس پیدا کرکے اس تک پہنچاتا ہے۔

یہ منظر کس قدر بھیانک ہے کہ دنیا اپنی تمام ترقیات کے باوجود عقل کو جذبات پر فتحمند بنانے کے لئے اب تک کوئی آلہ نہ ایجاد کرسکی جب کہ آج عقل جذبات کے آگے زیادہ بے بس بنی ہوئی ہے اور سنجیدہ و ٹھوس قسم کے مفکرین بے چینی کے ساتھ اس آلہ کا انتظار کررہے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ جس قدر اس پہلو پر غور کریں گے یہ حقیقت کھلتی جائے گی کہ آج کی دنیا میں یہ کام وہی مذہب انجام دے سکتا ہے جو انسان کی داخلی زندگی میں تغیر پیدا کرے اور جو علم و حکمت کا علمبردار ہو اور افادیت و صلاحیت کے پیمانہ سے ناپا جاتا ہو اور وہ "الاسلام" ہے۔

(۴) تواصی بالصبر

قیام و بقاء کا چوتھا اہم اصول "تواصی بالصبر" ہے نظریۂ حیات کو بروئے کار لانے کے لئے

[1] جدید دنیا کی سیاست میکاؤلی سیاست کہلاتی ہے میکاؤلی اٹلی میں پیدا ہوا اور مغربی سیاسی تحریکات کا رہبر اول ہے اس کی سیاست کی اصلی جان قوت ہے اور نفس پرستی۔ خودغرضی تحصیل طاقت کا جذبہ ہر جگہ نمایاں ہے اس کے نزدیک سیاسی ادارے مذہب کے ماتحت نہیں رہ سکتے بلکہ سیاسی مقصد کے لئے مذہب کو آلہ کار ہونا چاہئے یہ تصور دراصل خالص رومی تصور ہے جس کو یورپ میں میکاؤلی نے دوبارہ زندہ کیا اور تقریباً تمام دنیا میں اس پر عمل درآمد ہوگیا۔

جس جس قسم کی ایثار و قربانی کا مطالبہ کیا جائے اور جن جن مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اس میں نہ صرف یہ کہ جماعت کا ہر فرد صبر و استقامت کا پہاڑ ہو، مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کی روح ہر ایک میں سرایت کی ہوئی ہو بلکہ باہمد گر حسب حیثیت ایک دوسرے کو زبانی و عملی ہمدردی اور امداد کے ذریعہ اس کی تلقین کرتا ہو اور اس طرح سب ایک ساتھ آگے بڑھتے ہوں"

<u>صبر کی تحقیق اور اس کا استعمال</u> | تواصی کی تحقیق پہلے گذر چکی ہے جذبہ اور اسپرٹ کی بحث بھی وہیں دیکھ لی جائے صبر کی حقیقت "حبس النفس علی ما تکرہ" ہے یعنی خود کو ناگواریوں کے برداشت کا عادی بنانا خواہ یہ ناگواریاں کسی شی کے اختیار کرنے کے بارے میں ہوں یا چھوڑنے کے بارے میں۔

عام طور پر لوگوں نے صبر کو بہت محدود اور بے معنی بنا رکھا ہے لیکن قرآن حکیم کے بیان سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) یہ کہ صبر ایک زبردست قوت کا نام ہے جس سے اصلاح و انقلاب میں مدد لی جاتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ ۲	صبر اور نماز (کی قوتوں) سے (اصلاح و انقلاب میں) مدد لو۔

(۲) یہ کہ زندگی کی کشمکش میں کامیابی اور ناکامی کا مدار اسی قوت پر ہے جس میں جس قدر یہ قوت زیادہ ہو گی اسی مناسبت سے اس کا مقام متعین ہو گا۔

ان یکن منکم عشرون صابرون	اگر تم میں بیس آدمی بھی جھیل جانے والے نکل آئے
یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ	تو یقین کرو وہ دو سو دشمنوں پر غالب رہیں گے اور
یغلبوا الفاً من الذین کفروا بانھم	اگر تم میں ایسے آدمی سو ہو گئے تو سمجھ لو ہزار کافروں
قوم لا یفقھون الئن خفف اللہ	کو مغلوب کر کے رہیں گے اور یہ اس لئے ہو گا کہ
عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن	کافروں کا گروہ ایسا گروہ ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں
منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین	ہے اب خدا نے تم پر بوجھ ہلکا کر دیا اس نے جانا کہ

وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصبرین ﴿﴾

تم میں کمزوری ہے اچھا اب اگر تم میں جھیل جانے والے سو آدمی ہوں گے تو وہ دو سو دشمنوں پر غالب رہیں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو سمجھو دو ہزار دشمنوں کو مغلوب کر کے رہیں گے۔ اور یاد رکھو اللہ جھیل جانے والوں کا ساتھی ہے۔

یہاں فریقِ مخالف کے بارے میں کہا گیا ہے "قوم لا یفقھون" ایسی قوم ہے جو علم و بصیرت کی روشنی اور معاملہ فہمی کی صلاحیت سے محروم ہے اور صابرین کے بارے میں کہا گیا ہے واللہ مع الصابرین جس سے دو اہم حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) اللہ کی معیت کا ٹھیک ٹھیک تصور خود علم و بصیرت معاملہ فہمی اور صلاحیتِ کار کی ضمانت ہے

(۲) جس کے عشق و محبت میں سرشار ہے اور جس کی رضا جوئی کی خاطر اپنا سب کچھ دے ڈالنے کا عہد کر چکا ہے وہ اپنی تمام دلربائیوں اور رعنائیوں کے ساتھ مدد کے لئے موجود ہے اور زندگی کا یہ فلسفہ پیش کر رہا ہے "دینے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جان ہے زندگی" نفسیاتی لحاظ سے یہ حقیقت بڑی عجیب و غریب ہے اس کو کماحقہ تو اہلِ دل ہی سمجھ سکتے ہیں البتہ اتنا ہم جانتے ہیں کہ جب عاشق کو یہ معلوم ہو جائے کہ محبوب میرے ساتھ ہے اور میری کلفتوں کو وہ دیکھ رہا ہے تو اس کو کلفت میں ایک خاص قسم کی لذت اور سرور کی کیفیت محسوس ہوتی ہے یہ ایک عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رفاقت کو صابرین کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں واللہ مع الصّٰبرین تو بہت جگہ آیا ہے لیکن "مع المصلین"، مع الصائمین مع المتصدقین وغیرہ کہیں نہیں آیا ہے اسی سے صبر کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

صبر کے مظاہرہ کی شکلیں | قومی اور جماعتی زندگی میں صبر کے مظاہرہ کی تین شکلیں ہیں

(۱) مطالبات اور فرائض کی ادائیگی پر صبر۔

(۲) مرغوبات و مفادات کے ترک پر صبر۔

(۳) مشکلات و مصائب پر صبر۔

ظاہر بات ہے کہ جب کوئی قوم زندگی کے میدان میں قدم رکھ کر قیام و بقار کی جدوجہد شروع کرتی ہے تو کچھ نئے تقاضے اور نئے مطالبے سامنے آتے ہیں کچھ پرانی چیزیں چھوڑنی اور نئی چیزیں اختیار کرنی پڑتی ہیں، میدان میں دوسرے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جن سے ہر موڑ پر ٹکراؤ اور ہر موقف پر مخالفت ہوتی ہے آئے دن نئی نئی تکلیفیں اور مصیبتیں پیش آتی ہیں غرض اندرونی اور بیرونی کشمکش کی وجہ سے ہر وقت اچھا خاصا معرکۂ کارزار گرم رہتا ہے۔

ایسی حالت میں زندگی کا لمحہ لمحہ صبر و تحمل اور مستقل مزاجی کا مطالبہ کرتا ہے جو قوم جس قدر اس مطالبہ کو پورا کرتی ہے اسی قدر وہ کشمکش میں کامیابی حاصل کرتی ہے۔

مفسرین نے صبر کے مظاہرہ کی جو شکلیں بتائی ہیں اس سے مذکورہ بالا بیان کی تائید ہوتی ہے

مدارک میں ہے

"بالصبر عن المعاصی وعلی الطاعات وعلی ما یبلو بہ اللہ عبادہ"[۱]

معاصی سے صبر کرنا طاعات پر صبر کرنا اور ان تمام آزمائشوں اور مصیبتوں پر صبر کرنا جن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مبتلا کرے۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں۔

"ینصرف الامر بالصبر علی اداء الفرائض التی فرضہا اللہ واجتناب معاصیہ"[۲]

صبر کا حکم تمام ان فرائض کی ادائیگی کو شامل ہے جنہیں اللہ نے کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح تمام ان معاصی سے بچنے کو شامل ہے جن سے اللہ نے منع کیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کہتے ہیں

"اما صبر پس سہ قسم است اول صبر بر مشقت طاعت دوم صبر از لذاتِ گناہ کہ بے اختیار مرغوب طبع میباشد سوم صبر بر مصیبت کہ در جزع و فزع و شکایت و حرکات مخالف رضامندی خود را

---

[۱] مدارک تفسیر والعصر [۲] احکام القرآن ج ۱ ص ۳۶

بزور بازو دارد۔[1]

ذیل میں چند احادیث واقوال نقل کئے جاتے ہیں جن سے قومی اور جماعتی زندگی میں صبر کا مقام واضح ہوتا ہے۔

قومی اور جماعتی زندگی میں صبر کا مقام

رسول اللہ نے فرمایا

الایمان نصفان نصف فی الصبر و نصف فی الشکر[2]	ایمان کے دو حصے ہیں آدھا صبر میں ہے اور آدھا شکر میں

یوں سمجھنا چاہیئے کہ ایمان قوم کے لئے بمنزلہ صحت کے ہے اور بیمار قوم کو صحت اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب کہ دوا بھی کرے اور پرہیز بھی شکر دوا ہے اور صبر پرہیز۔[3]

ایک شخص نے رسول اللہ سے پوچھا ما الایمان (ایمان کیا ہے) آپ نے اس کے جواب میں فرمایا الصبر والسماحۃ[4]

ایک اور حدیث میں ہے

ما اعطی احد عطاء خیرا واوسع من الصبر[5]	صبر سے زیادہ وسیع اور بہتر کسی کو کوئی عطا اور بخشش نہیں دی گئی (یہ سب سے بڑھ کر ہے)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ کا ردیف تھا اس وقت آپ نے ہمیں چند چیزوں کی تعلیم فرمائی اور ان پر عمل کرنے کی تاکید کی وہ یہ ہیں

علیک بالعلم فان العلم خلیل المومن والعلم وزیرہ والعقل دلیلہ والرفق اخوہ والصبر امیر جنودہ۔[6]	تم علم کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو (حاصل کرو) کیوں کہ علم مومن کا دوست اور اس کا خیر خواہ ہے اور حلم (بردباری) اس کے وزیر کے قائم مقام ہے اور عقل اس کی رہبر ہے اور نرم خوئی بمنزلہ اس کے بھائی کے ہے جو ہر وقت کام آتی ہے اور صبر اس کے لشکر کا امیر الامراء

---

[1] تفسیر عزیزی ص ۱۲۹ [2] بیہقی فی شعب الایمان [3] تفسیر عزیزی ص ۱۲۹ [4] حوالہ بالا [5] صحاح ستہ از حوالہ بالا
[6] نوادر الاصول از تفسیر عزیزی۔

(کمانڈر انچیف) ہے کہ جس کی مدد اور مشورہ کے بغیر
فتح و کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی ہے۔

یہ حدیث زندگی کی کشمکش میں کامیابی حاصل کرنے کے سلسلہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے اور قیام (بقاء) کی جدوجہد میں جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے اس سے ان کی بھی وضاحت ہوتی ہے ان میں سب سے زیادہ اہم صبر ہے کیوں کہ اس کو امیر الامراء قرار دیا گیا ہے۔

اسی بناء پر حضرت علیؓ نے ایک موقع پر صبر کو ایمان کا جزو اعظم قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

الصبر من الایمان بمنزلة الرأس من الجسد اذا قطع الرأس اتنن ما فی الجسد ولا ایمان لمن لا صبر له[1]

جس طرح انسان کے بدن سے سر کا تعلق ہے کہ سر کے جدا ہو جانے کے بعد پورا جسم بے کار اور بدبودار بن جاتا ہے یہی تعلق بعینہ صبر کا ایمان سے سمجھنا چاہیے یعنی صبر کی حیثیت جسم ایمانی میں بمنزلہ سر کے ہے کہ اس کے نہ پائے جانے کی صورت میں لبا اوقات ایمان کا اثر بجائے اچھائی کے برائی میں تبدیل ہو جاتا ہے

حضرت امیرؓ کے اس قول میں صبر کے نفسیاتی پہلو پر بحث کی گئی ہے اور تشبیہ میں "اتنن" کہنا نہایت معنی خیز ہے اور سماجی زندگی میں اثرات کے پیش نظر ہے۔

دنیا کی ہر قوم صبر کی وجہ سے کامیابی حاصل کرتی ہے

ان تصریحات سے صبر کا مقام واضح ہوتا ہے نیز یہ بات کہ زندگی کی کوئی جدوجہد اس کے بغیر نہ کامیابی سے ہم کنار ہو سکتی ہے اور نہ نظریات پر ایمان و یقین کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر آپ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہر قوم کے اتار چڑھاؤ اور بناؤ بگاڑ سے اس کی شہادت مل سکتی ہے یہاں لوگوں نے جو کچھ پایا اسی صبر کی بدولت پایا اور جو کچھ کھویا اسی کی وجہ سے کھویا۔ اسی بناء پر قرآن حکیم نے بنی اسرائیل کی کامیابی کا راز صبر میں پوشیدہ بتایا ہے

وتمت کلمة ربك الحسنی علی بنی

آپ کے پروردگار کا فرمان پسندیدہ بنی اسرائیل کے

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ و بیہقی از حوالہ بالا

اسرائیل بما صبروا ﴿۱۴۷/۷﴾ حق میں پورا ہوکر رہا اس وجہ سے کہ انھوں نے صبر کیا تھا۔

ایک اور موقع پر پیشوائی اور سرداری ملنے کا سبب صبر کو قرار دیا گیا ہے

وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا ﴿۳۲/۲۵﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل میں سے امام (سردار) بنائے تھے جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو ہدایت کیا کرتے تھے یہ منصب انھیں اس وقت ملا جب کہ انھوں نے صبر کیا۔

صبر کے انھیں دور رس نتائج کی بنا پر اللہ نے صابرین کو بے حد حساب اجر دینے کا وعدہ کیا ہے۔

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب ﴿۳۹/۱۴﴾ صابرین کو بے حد حساب اجر دیا جائے گا۔

سدرۂ و طوبیٰ

اُردو زبان کا یہ تازہ شاہکار، ہندوستان کے مشہور و مقبول شاعر جناب اثمؔ مظفر نگری کا تیسرا مجموعۂ کلام ہے۔ کوثر و تسنیم کے بعد جتنی غزلیں اور نظمیں لکھی گئیں اور ملک کے مشہور اخبار و رسائل میں شائع ہوکر اہلِ علم و نظر سے دادِ تحسین و آفریں حاصل کر چکیں وہ سب اس مجموعے میں شامل کر دی گئی ہیں یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ عہدِ جدید میں اثم صاحب کے یہاں شاعری کا اجتہادی رنگ صفِ اول کے کسی بھی شاعر سے کم نہیں ...... بلکہ اُن کے کلام کی بعض خصوصیات ایسی ہیں جو ان کی انفرادیت کے ممتاز مقام کو محفوظ کر چکی ہیں، شاعری کے حقیقی مفہوم و مقصود کو سمجھنے کے لئے سدرۂ و طوبیٰ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

موصوف کا آہنگِ سرمدی کے بعد یہ دوسرا کارنامہ ہے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب۔ کاغذ نفیس اور گردپوش جاذبِ نظر۔

علمی، ادبی اور شاعرانہ مذاق رکھنے والے حضرات سدرہ و طوبیٰ کے حاصل کرنے میں عجلت سے کام لیں ورنہ اشاعتِ ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قیمت مجلد۔ دو روپے آٹھ آنے۔